ایک عالم دین وداعی کا وسعت قلب اور وسعت نظر

(تَحریر: حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

(اہل علم، اہل دین، واہل مدارس اور مختلف مکتبہ فکر کے دانشوروں اور عام مسلمانوں کے لیے بہت سبق آموز باتیں اور اشارے)

ایک عالم دین و داعی سے میری ملاقات وتاثرات

(تَحریر: حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ)

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے دینی جنون اور خصوصیات کا ایک اندازہ

مولانا منظور نعمانؒ فرماتے ہیں کہ مرحوم اپنی تحریک کے بارے میں کبھی کبھی فرماتے تھے یہ قرون اولی کا ہیرا ہے مگر مجھے یہ کہنے میں کوئی مبالغہ محسوس نہیں ہوتا کہ مولانا خود اس چودھویں صدی میں قرون اولی کے خزانۂ عامرہ کا ایک موتی تھے

بعض سلف کے متعلق بہت سے چیزیں ہم کتابوں میں ایسی پڑھتے ہیں جن کو باور کرنے میں مادیت سے مغلوب حلقوں پر بڑا بوجھ پڑتا ہے، لیکن مرحوم کے اندر اس قسم کی چیزیں آنکھوں سے دیکھ کر الحمد للہ ایسا انشراح واطمینان نصیب ہوا جو شاید صدہا دلیلوں سے نصیب نہیں ہوتا۔

بقول علی میاںؒ :۔قرآن وحدیث کے فہم، سیرت،اور صحابہ کرام کے حالات وواقعات کے علم،اصول دین سے گہری واقفیت کے ماتحت انہوں نے کام کا ایک طرز پیش کیا' ' (دینی دعوت، ص ۳۲۷

نیچے کا مضمون اس کتاب سے ماخوذ ہے جو یہاں نیچے لنک پر درج ہے

http://ia801701.us.archive.org/27/items/HazratMolanaMuhammadIlyasr.aAurUnKiDeeniDawatByShaykhSyedAbul/HazratMolanaMuhammadIlyasr.aAurUnKiDeeniDawatByShaykhSyedAbulHasanAliNadvir.a.pdf and also available on this link

http://islamicbookslibrary.wordpress.com/category/tableegh/

جس کو افادہ عام کی غرض سے یہاں الگ سے شایع کیا جارہا ہے

وسعت قلب کی بڑی دولت

مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت میں حضرت ابوالحسن علی ندویؒ کے وسعت قلب اور عام مسلمانوں کے لیے اکرام کے متعلق تفصیل سے تحریر کیا ہے، جس کو عام افادیت کی غرض سے یہاں نقل کیا جاتا ہے،

اس مضمون میں اہل علم، اہل دین، واہل مدارس اور مختلف مکتبہ فکر کے دانشوروں اور عام مسلمانوں کے لیے بہت سبق آموز باتیں اور اشارے ہیں، اگر ان پر سمجھ کر عمل کیا جائے تو ہمارے مختلف مکتبۂ فکر کے لوگوں کے آپس کے تعلقات میں اسلامی مزاج اور اکرام مسلم کو شامل کرنے میں بہت مدد ملے گی۔ اللہ ہم سب کو علم نافع اور عمل کی توفیق نصیب فرمائے

حضرت مولانا علی میاںؒ تحریر فرماتے ہیں

ہندوستان میں مدت سے دین و علم کے چھوٹے چھوٹے دائرے اور خانے بن گئے ہیں، ہر حلقہ اور ہر جماعت کے لوگوں نے علم و دین کو اپنے اپنے دائرے میں ایسا محصور سمجھ لیا ہے کہ اس کے باہر وہ علم و دین کا تصور نہیں کر سکتے، دوسرے دائرے کے لوگوں کے علم و فضل اور دین داری و تقویٰ کا اعتراف کرنا مشکل ہوتا ہے اور ان سے مل کر وہ قلبی انبساط اور انشراح نہیں ہوتا، جو اہل دین اور ہم مزاق لوگوں سے مل کر ہونا چاہیے، یہ بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ایک ہی جماعت اور حلقے کے ایسے دو افراد کے ساتھ محبت و عقیدت رکھنا بعض لوگوں کے نزدیک ناممکن ہو گیا ہے جن کے مزاقِ طبیعت یا سیاسی خیالات یا مشاغل میں اختلاف ہے۔ اور ان کو ایک قلب میں جمع کرنا جمع بین الاضداد نظر آنے لگا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ افادہ اور استفادہ کا دائرہ محدود ہوتا چلا جا رہا ہے۔ بیگانگی اور بعد بڑھ رہا ہے، اور اہل دین اور اہل حق کے درمیان دیواریں کھڑی ہوتی چلی جا رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا الیاسؒ کو وسعت قلب کی بڑی دولت عطا فرمائی تھی۔ اور بڑا وسیع ظرف بخشا تھا جس میں تمام دینی جماعتوں اور ہر قسم کے اختلافات و خصوصیات کے ساتھ تمام اہل حق کی بیک وقت گنجائش تھی، ہر شخص کے لیے مرتبہ اور شخصیت کے لحاظ سے الگ خانہ تھا اور قلب میں خاص جگہ تھی عربی شاعر کے بقول

لکل امری شعب من القلب فارغ

وموضع بخوی لا یرام اطلاعھا

مولانا کے نزدیک مسلمانوں کا کوئی طبقہ جوہر اور مسلمانوں کا کوئی فرد ہنر سے خالی نہیں۔ ہر طبقہ میں کوئی نہ کوئی ایسی صفت ہے جو دوسرے میں نہیں۔ لہٰذا ہر طبقے کو دوسرے سے اس صفت میں استفادہ کرنا چاہیے۔ خصوصاً جن لوگوں یا طبقوں کو اللہ تعالیٰ نے خاص جوہر یا فطری صلاحیتیں اور دین سے مناسبت عطا فرمائی ہے ان کو دین میں مشغول کرنے اور اس کو دین کے فروغ اور ترقی کا ذریعہ بنانے کا بڑا اشتیاق رکھتے تھے۔

ایک بزرگ کو ایک کارکن کے متعلق لکھتے ہیں۔ "وہ سادات کے متوجہ کرنے کی طرف توجہ دلاتے رہیں، تعلیم میں بھی اور تبلیغ میں بھی اور یہ یاد رکھیں اور سمجھتے رہیں کہ جو لوگ جس قدر زیادہ اہل ہیں، ان کے اصلی مرکز تک پہنچنے میں نزاکتیں بھی زیادہ ہیں۔

آپ کا حوصلہ، آپ کی قوت، آپ کی طبیعت، آپ کا دماغ اس قابل تھا، اور اس کی اہلیت رکھتا ہے کہ کسی جاندار کام کو آپ اٹھالیں، جاندار کام کے لیے جاندار ہی اہل ہیں۔

تمام افراد اور جماعتوں کے متعلق مولانا کا یہی خیال تھا۔

اداروں کے علاوہ روحانی سلسلوں اور مشائخ طریقت کے منتسبین کے متعلق بھی مولانا کی وسعتِ قلبی کا یہی حال تھا، کسی شیخ طریقت کے منتسبین اس کام کی طرف توجہ کرتے تو بے حد خوش ہوتے اور ان کا بڑا اکرام کرتے، میں نے مجددی طریقہ اور کبھی حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے سے تعلق رکھنے والوں کا تعارف کرایا تو بہت مسرور ہوئے اور ان کا بڑا اکرام کیا اور فرمایا کہ میں بچپن سے اپنے بزرگوں سے سن رہا ہوں کہ اس زمانہ کے دو قطب تھے، پچھم میں حضرت گنگوہی اور پورب میں حضرت مولانا فضل الرحمن صاحبؒ۔ میری بڑی آرزو ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے لوگ اس طرف متوجہ ہوں۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحبؒ کے اہل تعلق میں سے ایک مشہور ہستی کے متعلق جن کو دنیاوی وجاہت اور ریاست بھی حاصل ہے اور جن کے دینی و علمی کمالات کے لیے ان کی امارت پردہ بن گئی ہے، فرمایا کہ میں ان کو اہل اللہ میں سے سمجھتا ہوں اور مجھے بار بار اس کام کی طرف ان کی توجہات منعطف کرانے کی طرف متوجہ فرمایا۔

ایک روز میں نے عرض کیا کہ حضرت ندوہ کے لوگوں نے اہل دین کیمطرف ہمیشہ عقیدت کا ہاتھ بڑھایا ہے مگر ان کی طرف اس کے جواب میں محبت کا ہاتھ نہیں بڑھا، ان کو ہمیشہ بیگانگی اور غیرت کی نگاہ سے دیکھا گیا، خدا کا شکر ہے کہ آپ نے ہمارے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا اور ہمارے ساتھ یگانت کا معاملہ کی

ا، مولانا کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا'' آپ کیا فرماتے ہیں، آپ کی جماعت تو اہل دین کی جماعت ہیں میں تو علی گڑھ والوں کو بھی چھوڑنے کا قائل نہیں، ان سے بھی بعد اور وحشت صحیح نہیں، اس کا نتیجہ تھا کہ اس

دعوت و تحریک میں مظاہر العلوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء، جامعہ ملیہ اور ان کے ساتھ انگریزی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ اور اساتذہ اور تجارت پیشہ، ملازمت پیشہ اور ہر طرح کے کاروباری مسلمان دوش بدوش ہیں اور کوئی دوسرے سے متوحش نہیں۔

مولانا ہر ایک کے امتیاز خصوصی کی داد دیتے تھے اور تعریف کرتے تھے، کسی کی دینداری کی، کسی کی سلیقہ مندی کی، کسی کی حاضر دماغی اور تجربہ کاری کی، ہاں ان کے نزدیک ہر فطری صلاحیت دین کے کام میں لگنی چاہیے تھی، اس کو کسی اور مصرف میں صرف ہوتے دیکھ کر ان کو بڑا درد ہوتا، ان کے نزدیک جن لوگوں کو اللہ نے اچھا دل ودماغ، چستی اور مستعدی اور بلند ہمتی دی ہے، ان کی توجہ کا دین، دنیا سے زیادہ مستحق ہے اور ان کی توجہ اور دلچسپی سے دین کا کام بڑی تیزی اور قوت سے ہو سکتا ہے، ایک دیندار معاملہ فہم کامیاب تاجر کو لکھتے ہیں کہ میں آپ جیسے احباب اور بزرگوں سے طالب رہا کہ آپ میرے معین اور مددگار بلکہ اس کے اندر ایسی ہمت مردانہ سے کھڑے ہوں کہ آپ ہی اصل ہوں

نامور معاصرین اور اہل فضل کے متعلق کبھی اظہار خیال فرماتے تو ان کے اعلیٰ درجہ کی مرتبہ شناسی، بالغ نظری اور دقیقہ رسی کا اندازہ ہوتا۔ اس وسعت قلب اور وسعت نظر کا یہ نتیجہ تھا کہ انہوں نے ایسے لوگوں سے کام لے لیا اور دین اور اہل دین سے ان کا تعلق پیدا کرا دیا اور پھر رفتہ رفتہ ان کی زندگی میں تبدیلی پیدا کر دی، جن کے متعلق عام نگاہوں کا فیصلہ یہی ہوتا کہ ان کو قطعاً اس کام سے مناسبت نہیں۔ اور یہ کبھی بھی دین سے قریب نہیں ہو سکتے۔ برابر یہ تماشا نظر آتا رہتا تھا کہ جن لوگوں کے عدم مناسبت کا قلب فیصلہ کرتا وہ تھوڑے دنوں میں بڑے

کارآمد آدمی بن جاتے، وہ ہر شخص سے ایک ہی درجہ اور ایک ہی مقدار کا کام کرنے کا مطالبہ اور اس کا اصرار نہ کرتے ،ہر شخص کے حسب حال اور اس کی سطح اور اس کے مخصوص حالات اور صلاحیتوں کے مطابق اس سے دین کی نصرت وتائید کا کام لیتے اور اس کے اس کام پر اتنے ہی شکر گزار ہوتے جتنے دوسروں کی انتہائی جدوجہد اور محنت شاقہ پر اس کے کام کی قیمت کا فراخ دلی سے اعتراف کرتے اور اس کی قدر و قیمت کو بیان کر کے اس کا دل بڑھاتے اور عملی کام کی ہمت دلاتے۔(دینی دعوت ص ۲۶۴)اللہ ہم سب کو دین کی سمجھ اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین

مقدمہ

(از محمد منظور نعمانی عفااللہ عنہ)

ذیقعدہ 1358ء (دسمبر 1939ء) کا ذکر ہے کہ تین دوست اپنی اپنی جگہ سے چل کر سہارنپور میں جمع ہوئے تاکہ چند دینی مرکزوں کو دیکھیں، اور وہاں جو کچھ دینی اصلاحی کام ہو رہا ہے، اس کو دیکھ کر کچھ اپنے متعلق بھی فیصلہ کریں۔

ان مرکزوں کی مختصر سی فہرست میں ایک نظام الدین کا تبلیغی مرکز بھی تھا جس کو اس سفر کے آخر میں رکھا گیا تھا۔

دوستوں کے اس مختصر سے قافلے میں (جس کو شاید دینی طلیعہ'' کہنا بے محل ہوگا) یہ راقم حروف اس مرکز کے روح رواں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے سب سے زیادہ واقفیت رکھتا تھا، اور یاد آتا ہے کہ رفقاء میں مولانا کی اس سیرت کے مولف (مولانا سید ابوالحسن علی صاحب) کو اس مرکز میں حاضر ہونے اور مولاناؒ سے ملنے کا ہم سب سے زیادہ اشتیاق تھا۔

میری واقفیت کی بنیاد تو یہ تھی کہ اجمالی طور پر اس سلسلے کے تمام اکابر ومشاہیر سے واقفیت رکھتا ہوں، دیوبند میں طالب علمانہ قیام ہی کے زمانہ سے اس جماعت کے ساتھ جو دینی وفکری رابطہ اور عقیدت ومحبت کی جو دولت مجھے نصیب رہی اس کی بنیاد پر اس حلقہ کی کوئی ممتاز شخصیت میرے لئے بیگانہ نہ تھی، اس کے علاوہ میوات کے ایک ''تبلیغی جلسہ'' میں مجھے شرکت اور حاضری کا اتفاق بھی ہو چکا تھا جس میں حضرت مولانا مرحوم بھی تشریف رکھتے تھے۔

لیکن مجھے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ میری واقفیت مولاناؒ سے بالکل سطحی اور سرسری تھی، میں ان کو بس ایک مخلص بزرگ اور حقانی عالم سمجھتا تھا، جو اخلاص کے ساتھ تبلیغ کا کام کر رہے ہیں اور تبلیغ کا خاکہ میرے ذہن میں بس یہ تھا کہ وہ جاہل وغافل دیہاتی مسلمانوں کو کلمہ سکھاتے اور نماز روزہ پر لگاتے ہیں۔ جزاہ اللہ خیرا۔

میرا اب خیال ہوتا ہے کہ ایسی ادھوری اور سطحی واقفیت اکثر استفادہ سے مانع اور اچھا خاصا

حجاب ثابت ہوتی ہے۔ آدمی سمجھتا ہے کہ میں تو واقف ہوں، لیکن اس ادھوری واقفیت اور اس سے پیدا شدہ تصور کی وجہ سے اس کے دل میں وہ اشتیاق اور طلب کا وہ جوش پیدا نہیں ہوتا جو اس ناواقف کے دل میں ہوتا ہے جو تحقیق و تلاش کے لئے نکلتا ہے، میرا خیال ہے کہ اپنے زمانہ کے اکابر اور اپنے شہر کی عظیم المرتبت ہستیوں سے اکثر قریب کے لوگوں کی محرومی کا سبب شاید زیادہ تر یہی رہا ہے۔

ہمارے دوست (مولف سوانح) مولاناؒ سے صرف اس تقریب سے واقف تھے کہ ان کے والد کے دوست (منشی محمد خلیل صاحب) نے ایک آدھ باران کے سامنے مولاناؒ کا تذکرہ کیا تھا، اور کرنال کے ایک سفر میں (جو مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی ہمراہی میں ہوا تھا) ایک مجلس میں ایک واقف کار نے مولاناؒ کی تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر کیا تھا، اس کے بعد انہوں نے مولانا کی دینی دعوت کے متعلق سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کا ایک مضمون پڑھا تھا جو موصوف نے میوات کے ایک مختصر سے سفر سے متاثر ہو کر ''ایک اہم دینی تحریک'' کے عنوان سے اپنے رسالہ ''ترجمان القرآن'' (بابت ماہ شعبان 58ء) میں لکھا تھا۔

وہ مجھ سے مولاناؒ کے متعلق پوچھتے تھے اور میں جتنا کچھ جانتا تھا بتلاتا تھا، اور اس خیال سے کہ پہلے وہ کوئی ایسا تصور قائم نہ کرلیں جس کو نہ پا کر انہیں مایوسی ہو، میں یہ ضرور کہتا تھا کہ مولانا کی زبان میں ایک طرح کی لکنت ہے اور وہ بعض اوقات اپنا مدعا بھی پورے طور پر ظاہر نہیں کر پاتے۔

اللہ کا کرنا کہ دہلی پہنچ کر یہ عاجز ایک شدید ضرورت اور طلبی کی بناء پر ان دونوں رفیقوں کو چھوڑ کر بریلی آ گیا، اور مولف کتاب اور ان کے بلاواسطہ اور میرے بالواسطہ دوست مولوی عبدالواحد صاحب ایم۔اے نظام الدین اور وہاں سے میوات گئے اور وہاں سے واپسی پر مولانا کی ملاقات سے مشرف ہوئے جس کی مفصل روئداد اور مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ہی کے قلم سے ذی الحجہ 1358ء کے الفرقان میں ''ایک ہفتہ چند دینی مرکزوں میں'' کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔

اس کے بعد مولانا سید ابوالحسن صاحب کے خطوط سے معلوم ہوتا رہا کہ وہ مولانا کے پاس جاتے رہتے ہیں اور ان کا تاثر مولانا کی دینی دعوت سے اور ان کی مناسبت مولانا کے ارشادات سے بڑھ رہی ہو یہاں تک کہ مجھے بھی ان کی معیت میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے کے مواقع حاصل ہوئے، اس سلسلہ کے واقعات و تاثرات وقتاً فوقتاً ''الفرقان'' میں شائع ہوتے رہے

....

ہیں، اور اس وقت ان کی تفصیل مقصود نہیں۔

یہاں صرف یہ کہنا کہ مولانا کے یہاں جب بار بار حاضری ہوئی اور بعض سفروں میں یکسوئی کے ساتھ حاضر خدمت رہنے اور ان کے ارشادات کو تفصیل سے سننے کا موقع ملا تو قلب و دماغ پر دو اثر ہوئے۔

ایک تو یہ کہ مولانا کی دعوت بڑی عمیق اور اصولی دعوت ہے اور جو محض غلبہ حال کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالی کی خاص عنایت و توفیق کے ساتھ اصول دین میں بہت گہرے غور و تدبر، قرآن و حدیث کے عمیق مطالعہ و تفکر، دین کے مزاج و طبیعت سے واقفیت اور صحابہ کرامؓ اور قرنِ اول کے طرز زندگی کے وسیع اور گہرے علم پر مبنی ہے اور وہ چند منتشر اور غیر مربوط اجراء کا نام نہیں ہے۔ بلکہ مولانا کے ذہن میں اس کا ایک مرتب خاکہ ہے، البتہ اس کے لئے ان کے نزدیک ترتیب و تدریج بہت ضروری ہے۔

اس حقیقت کے انکشاف کے بعد قلب میں شدت کے ساتھ اس کا تقاضا پیدا ہوا کہ یہ چیزیں کاغذ پر بھی مرتب شکل میں آجائیں اور اس دعوت کے اصول و مبادی اور طریق کار اور اس کی ذہنی اساس اور دینی بنیاد اہل علم کے لئے اس زمانہ کی زبان اور علمی پیرایہ بیان میں سامنے آجائے۔

رجب 62ھ میں مولانا لکھنو تشریف لے گئے اور خاکسار راقم کو بھی آپ کی معیت میں کئی روز رہنے کی سعادت، اور کبھی کبھی ترجمانی کی عزت بھی حاصل ہوئی۔ ہمارے دوست مولف کتاب نے ایک مجلس میں مولانا کی ترجمانی کا فرض ادا کیا اور آپ کی اس دینی دعوت کے جن نہایت عمیق اور طاقتور پہلوؤں کو سرسری نظر سے دیکھنے والے نہیں سمجھ سکتے، مولانا ابوالحسن علی نے اپنی اس تقریر میں ان کو ایسی مفکرانہ ترتیب کے ساتھ اس قدر دل نشین انداز میں اس وقت پیش کیا کہ خود راقم سطور کے لئے بھی اس تحریک کے متعلق علم کا ایک نیا دروازہ کھل گیا۔ چنانچہ خاکسار نے اسی وقت بہ اصرار ان سے کہا کہ آپ تمام کام چھوڑ کر اس تقریر کو قلمبند کرلیں، یا اس کو تحریری شکل میں ازسرنو مرتب کریں، یہ آپ پر اس دعوت کا سب سے بڑا حق اور بڑی ذمہ داری ہے۔ مولانا نے بھی میری فرمائش کی تائید کی، اور غالباً اسی سے متاثر ہو کر مولف نے وہ رسالہ مرتب کیا جو ایک ''اہم دینی دعوت یا مسلمانوں کی عمومی تعلیم و تربیت کا نظام'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

اس کے بعد راقم الحروف نے حضرت مولانا کی علالت کے زمانہ میں ہی حضرت ہی کے ارشادات سے اخذ کر کے ''بصیرت دین و اصلاح مسلمین کی ایک کوشش'' کے عنوان سے ایک مقالہ

مرتب کیا اور اس میں ایک خاص عنوان سے اس دعوت کی ترجمانی اور توضیح کی کوشش کی، اس طرح جہاں تک دعوت کے اصول و اساس کا تعلق ہے اگرچہ کوئی تحریر کسی انسان کی قائم مقام نہیں ہو سکتی، مگر اس سلسلہ میں دل پر اب اتنا بوجھ نہیں رہا، اور کسی حد تک اس کا اطمینان ہو گیا کہ دل و دماغ کی امانت کاغذ کے سپرد کر دی گئی ہے اور اگرچہ کاغذ بہت ضعیف ہے مگر اس کے امین ہونے میں شک نہیں۔

قلب پر دوسرا اثر مولانا کی شخصیت کا تھا، ہماری آمد و رفت، سفر و حضر کی رفاقت اور ذاتی واقفیت جتنی بڑھتی گئی، مولانا کی شخصیت کا اثر بھی ہمارے اوپر بڑھتا گیا، ہم اور ہمارے بعض دوسرے صاحب بصیرت احباب اس بارے میں ہم خیال و یک زبان تھے، کہ اس زمانے میں ایسی شخصیت اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی اور رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ ہے۔ جس کو دین کے موثر اور زندہ جاوید ہونے کے ثبوت کے طور پر اور صحابہ کرام کے عشق اور خیر القرون کے دینی جنون و بیقراری اور اس دور کی خصوصیات کا ایک اندازہ کرنے کے لئے اس زمانہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ اس طرح کی کسی غیر معمولی شخصیت کو دیکھتا اور اس سے متاثر ہوتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کے دوست احباب بھی دیکھیں اور نعمت و سعادت میں اپنا اپنا حصہ لیں، اس لئے طبعی طور پر ہمارا بھی جی چاہتا تھا کہ ہمارے احباب اور معاصر اس ہستی کو دیکھیں جو قرون اولیٰ کے خزانہ عامرہ کا ایک بچا کچھا موتی ہے، لیکن کسی کو کسی پر اختیار نہیں، بہت سے احباب جو بآسانی پہنچ سکتے تھے اور جن کی نظر دوررس اور حقیقت شناس تھی، اور جو اپنی مناسبت اور صلاحیتوں کی بناء پر یا کسی دوسری وجہ سے ان کی زندگی میں نہ آ سکے اور ان کو ان کی خصوصیات و امتیازات کے ادراک اور ان کی دعوت کو اچھی طرح سمجھ سکنے کا موقع نہ مل سکا۔

ہم آپس میں اکثر تذکرہ کرتے تھے کہ اگر ہم مولانا کے حالات کسی کے سامنے بیان کریں، تو وہ مبالغہ پر محمول کرے گا اور دیکھنے والا ہمارے بیان کی تقصیر اور کوتاہی سمجھے گا، واقعہ یہ ہے کہ الفاظ کی بڑی سے بڑی مقدار ذاتی مطالعہ اور عینی مشاہدہ کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، الفاظ یا تو آگے بڑھ جاتے ہیں یا پیچھے رہ جاتے ہیں، کاغذی لباس جو بھی تیار کیا جائے گا وہ جسم پر پورے طور پر راست نہیں آئے گا، یا ڈھیلا رہے گا یا تنگ، اگر کوئی چیز کسی کا کچھ صحیح تصور قائم کرا سکتی ہے اور اس کو کسی حد تک اس کی صحیح شکل میں پیش کر سکتی ہے، تو وہ صرف واقعات یا اس کی اپنی تحریریں (خصوصاً خطوط) اور اس کی روزمرہ بے تکلف گفتگو ہے۔

....

مولانا کے ساتھ رہنے اور ان کو قریب سے دیکھنے سے ہم پر ایک علمی نکتہ یہ منکشف ہوا کہ بزرگان دین اور اکابر سلف کے جو حالات کتابوں میں جمع کئے گئے ہیں، ان میں خواہ کتنے ہی استقصاء سے کام لیا گیا ہو، وہ ان کی شخصیت اور ان کے اصلی کمالات سے کوئی نسبت نہیں رکھتے، اور واقعات کا بھی وہ بہت تھوڑا سا حصہ ہوتے ہیں جن میں مولف وسوانح نگار کی نظر انتخاب اور اس کے ذوق کو بڑا دخل ہوتا ہے، اور بعض مرتبہ تو جس شخص کی وہ سیرت ہوتی ہے، اس سے زائد خود سوانح نگار کی اپنی سوانح اور اس کا ذہنی مرقع ہوتی ہے۔
پھر کیفیات وجذبات اور بیسیوں ادائیں ہیں، قلم سے جن کی تصویر کشی محال ہے، شاعر نے سچ کہا ہے۔

گر مصور صورت اں دلستاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش راچساں خواہد کشید

اور غریب سوانح نگار کرے بھی کیا، بہت سی کیفیات وحقائق کے لئے شاعری کی لطیف اور بلیغ زبان میں بھی لفظ نہیں۔

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

ہمیں بعض زندہ ہستیوں کے ساتھ رہنے ہی سے معلوم ہوا کہ اگرچہ محدثین کرام اور اہل سیر سے زیادہ کسی نے امانت نقل اور استقصاء سے کام نہیں لیا، لیکن وہ بہر حال اتنا ہی بیان کر سکے جتنا الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے۔
پھر بھی کوئی شبہ نہیں کہ تاریخ اور کتب سوانح نے جو کچھ محفوظ کر دیا، اور ہم تک پہنچا دیا، حافظہ اور زبانی نقل وروایت کے سلسلے اس کا ایک حصہ بھی پہنچا سکتے، اور جن لوگوں کے لئے اس کا کوئی اہتمام نہیں ہوا، اکثر ان کے نام کے سوا دنیا میں کچھ باقی نہیں۔
مولانا کی سیرت وسوانح کے سلسلے میں ہم عرصے تک متامل رہے، مولانا اس کی ہمیشہ تاکید فرماتے رہے کہ ان کی دعوت کو ان کی شخصیت کے ساتھ وابستہ نہ کیا جائے، وہ کسی طرح اس کے روادار نہ تھے کہ ان کی شخصیت کی طرف دعوت دی جائے اور آخر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ دعوت کے تعارف کے سلسلے میں ان کا نام بھی لیا جائے، یہ احتیاط، تواضع، بے نفسی اور اخلاص کے علاوہ اہم دینی مصالح پر مبنی تھی، لیکن اس کام کے داعیوں اور کارکنوں کو (جن میں مولف کتاب ومقدمہ نگار بھی ہیں) اس کا اقرار ہے کہ اس میں کامیابی نہ ہوسکی۔ اکثر دعوت کے

مصالح کا اقتضاء ہوتا تھا کہ اس کے داعی اول کا ذکر کیا جائے، تا کہ ان لوگوں میں جو اس کی شخصیت، اخلاص اور للّٰہیت سے واقف ہیں، اس دعوت کی طرف سے اعتماد اور حسن خیال پیدا ہو، پھر دعوت کے اصول کی تشریح و تفصیل اور اس کے نتائج کے ظہور کے سلسلے میں خود اس کے داعی کے ذاتی تجربات اور اس دعوت کے ان منازل ارتقا کا ذکر ضروری ہوتا تھا جن سے یہ دعوت گزری ہے اور اس سلسلہ میں مولانا کا نام اور ان کی مساعی کا ذکر بالاضطرار زبان پر آجاتا تھا، اور وہ اکثر اوقات مفید ہوتا تھا۔

خاکسار راقم کو اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ وہ اور مولف کتاب دہلی میں ایک صاحب علم و صاحب قلم دوست سے نظام الدین نہ جانے پر دوستانہ شکایت کررہے تھے اور اس دعوت کی دینی اہمیت اور عظمت کا اظہار کر کے ان کو اس کی طرف متوجہ کررہے تھے، اس ضمن میں جب مولانا کی بلند شخصیت، روحانیت اور ان کے متعلق بعض نامور معاصرین کی رائے سنائی گئی تو ہم نے صاف محسوس کیا کہ دعوت کا وزن ان کی نگاہ میں کہیں سے کہیں پہنچ گیا، اور ان کے لئے کوئی چیز اس سے زیادہ موثر ثابت نہیں ہوئی۔

بعض انہی تجربات اور دوسرے دینی مصالح کے پیش نظر مولانا کی مایوس کن علالت کے دوران میں اس عاجز کو بار بار خیال ہوا کہ مولانا کی سیرت کی ترتیب اور اس دعوت کی مفصل تاریخ بہت ضروری ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب کا مولانا کی علالت کے آخر زمانہ میں وہیں قیام تھا۔ میں نے ان سے اپنا خیال ظاہر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ خود اس خیال سے فارغ نہیں ہیں، اور کچھ چیزیں انہوں نے نوٹ کرنی شروع کردی ہیں۔ اسی عرصے میں مولانا کی وفات کا حادثہ پیش آیا، اور اس تجویز میں جان پڑ گئی۔

مولانا کی آخری خدمت وزیارت کے لئے تقریباً تمام پرانے کام کرنے والے دیرینہ رفیق، نیز خاندان کے بزرگ اور اعزا جمع تھے، اور عنقریب یہ سبھا اجڑنے والی تھی، اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ بنات النعش پھر کہیں ایک جگہ ملیں گے۔ علی صاحب نے اس موقع سے پورا فائدہ اُٹھایا۔ مولانا کے باخبر اعزہ اور دیرینہ رفقاء سے ضروری معلومات یکجا کئے جن کے بغیر کوئی سوانح مرتب نہیں ہوسکتی، ان سے سوالات کر کے بہت سی کارآمد باتیں اور جزئیات فراہم کیں، صحیح سنہ معلوم کئے اور دعوت کے مختلف مراحل ومدارج کو منضبط کیا۔

اس کے علاوہ پرانے خطوط کا ایک قیمتی ذخیرہ نظام الدین سے اپنے ساتھ لے گئے، جن سے

سیرت وسوانح کے بعض ضروری خلا پر کئے۔ دعوت کے مبادی واصول کے متعلق خطوط کا سب سے پیش قیمت سرمایہ خود ان کے پاس موجود تھا۔ مولانا نے دعوت اور اپنے پیام کی تشریح میں (ہمارے علم میں) سب سے زیادہ اور مفصل خطوط خود مولف کتاب کو لکھے تھے جس سے انہوں نے پورا فائدہ اُٹھایا، بعض دوسرے دوستوں نے بھی یہ سن کر وہ مولانا کی سیرت کی تالیف کا کام کر رہے ہیں، اپنے خطوط ان کے پاس بھیج دیئے جو بہت کارآمد ثابت ہوئے۔

سب سے بڑی اور سب سے قیمتی مدد اس سلسلہ میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ، سے ملی، آپ نے بڑی جانفشانی اور بڑی تحقیق وتلاش سے معلومات فراہم کئے، بعض مرتبہ ایک سنہ اور تاریخ کی تحقیق میں کئی کئی دن اور کئی راتیں صرف ہوئیں، اپنے روزنامچہ اور پرانے کاغذات اور تحریروں سے یہ کھوئی ہوئی چیزیں برآمد کیں اور اس طرح کتاب کی تکمیل کی، آخر میں (کتاب کی دوسری طباعت کے وقت) مولاناؒ کے خطوط کا ایک بہت بڑا ذخیرہ آپ کی توجہ اور کرم سے ہاتھ آیا۔ (اس ذخیرے کے قریبا 70,80 اقتباسات اس اشاعت کا قیمتی اضافہ ہیں جس سے کتاب میں نئی روح اور نئی طاقت پیدا ہوگئی ہے۔

اس طرح اول سے آخر تک اللہ تعالیٰ نے اس کام میں بڑی مدد فرمائی اور ہماری ابتدائی توقع سے بڑھ کر مواد فراہم ہوگیا۔

مسودہ کی تکمیل کر لینے کے لئے یہ مناسب معلوم ہوا کہ خصوصی واقف کار اور دیرینہ رفیقوں کے سامنے یہ کتاب گزر جائے تا کہ واقعات کی صحت اور بیانات کی پختگی کے متعلق پورا اطمینان ہو جائے چنانچہ دسمبر 1944ء میں میوات کے ایک سفر میں کئی مجلسوں میں یہ کتاب سنی گئی اور کتاب کی مزید تنقیح کی گئی۔

ہمارے دوستوں میں مولف کتاب کو بزرگوں اور دینی شخصیتوں کی سیرت نگاری اور دینی و اصلاحی تحریکات کی تاریخ نویسی سے خاص مناسبت ہے، اور اس کا خاص ذوق اللہ نے ان کو بخشا ہے، اس سلسلہ میں مستقل کتاب کی شکل میں ''سیرت سید احمد شہید'' ان کا پہلا نقش تھا، اور مولانا محمد الیاسؒ کی یہ سوانح نقش ثانی ہے۔

اہل دین واہل علم کی سوانح نگاری اور تذکرہ نویسی مولف کتاب کی آبائی سعادت ہے اور یہ موضوع ان کے لئے بہت سے لوگوں سے زیادہ محبوب ودلچسپ اور سہل ہے، مولف کتاب کے دادا مولانا حکیم سید فخر الدین صاحبؒ فارسی کے ایک جلیل القدر مورخ اور دبیر تھے، جن کے رواں

اور سیال قلم کی یادگار ''مہر جہاں تاب'' (قلمی) فارسی کا انسائیکلوپیڈیا (جس کی پہلی جلد فل سکیپ سائز کے تیرہ سو صفحات میں تمام ہوئی ہے) اور ''سیرت السادات'' اور ''تذکرہ علمیہ'' جیسی کتابیں ہیں۔

مولف کے والد نامدار مولانا سید عبدالحی صاحبؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء ہندوستان کے ابن خلکان اور ابن الندیم تھے جو ''نزہتہ الخواطر (عربی) کی سی جلیل القدر تصنیف کے مصنف ہیں جو ہندوستان کے مسلمان مشاہیر واعیان علماء ومشائخ اور اہل علم وتصنیف کا آٹھ جلدوں میں سب سے مبسوط تذکرہ ہے۔

اس آبائی مناسبت اور خود اپنے ستھرے علمی ذوق کے علاوہ انہوں نے امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ (مکتوبات امام ربانی کے سلسلے میں) حضرت مجدد الف ثانیؒ کی سیرت، تعلیم اور اصلاح و تجدید کا گہرا مطالعہ کیا ہے، اس لئے اس دعوت کے بہت سے گوشوں اور اس کے بہت سے محاسن وخصوصیات سمجھنے میں ان کو مقابلتاً آسانی ہوئی اور اس سلسلہ میں ان کا اعتراف اہمیت سے خالی نہیں۔

ان خصوصیات کے علاوہ خوش نصیب مولف کو اللہ کی بخشی ہوئی کچھ اور خاص صلاحیتیں بھی حاصل ہیں، جن کا جوہر غالباً ان کی فطرت میں پہلے سے موجود تھا، لیکن ان کا نشوونما میرے خیال میں مولانا محمد الیاسؒ کے یہاں آمد ورفت اور ان کے ساتھ قلبی تعلق ہی سے ہوا ہے، اور ان ہی اندورنی خصوصیات نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت کی معرفت کو ان کے لئے زیادہ آسان کیا، جس کا اندازہ ناظرین کو انشاء اللہ اس سیرت کے مطالعہ سے کرسکیں گے۔

مقدمہ نگار قارئین سے رخصت ہونے سے پہلے مختصر مختصر چند باتیں اور بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے:

(الف) مولف کتاب اپنی خاص صلاحیتوں اور خصوصیتوں کی وجہ سے اگرچہ اپنی اس محنت میں یقیناً بہت زیادہ کامیاب ہوئے ہیں، اور بلاشبہ اگر کوئی دوسرا اس کام کو کرتا تو میرے خیال میں وہ ہرگز اس درجہ میں کامیاب نہ ہوسکتا، تاہم یہ حقیقت ہے کہ جنہوں نے صاحب سوانحؒ کو قریب سے اور غور سے نہیں دیکھا وہ اس کتاب سے جو کچھ اندازہ کریں گے وہ اصلیت اور حقیقت سے بہت کم ہوگا، خود راقم سطور کو بھی زیادہ قریب سے اور زیادہ غور سے مولانا مرحوم کو دیکھنے کا موقع ان کی آخری علالت ہی میں ملا، اور یہ واقعہ ہے کہ ہر اگلے دن یہ محسوس ہوتا تھا کہ کل ہم نے مولانا

کے متعلق جو کچھ سمجھا تھا مولانا اس سے بھی بہت بلند ہیں۔

عصر حاضر کے ایک بڑے عارف بلکہ یقین و معرفت کے ایک امام نے حضرت مولانا کی وفات سے تقریباً ساڑھے چار مہینے پہلے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ: یہ (مولانا آج کل ہزاروں میل روزانہ کی رفتار سے جا رہے ہیں، اس وقت تو میں ان الفاظ کا مطلب کچھ نہیں سمجھ سکا، لیکن بعد میں حضرت کے احوال کے مطالعہ سے کچھ سمجھ میں آیا کہ وہ ان کا اشارہ کس ارتقائی پرواز کی طرف تھا۔

مولانا مرحوم اپنی دعوت و تحریک کے متعلق کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ "یہ قرن اول کا ہیرا ہے، مگر مجھے یہ کہتے ہیں کوئی مبالغہ محسوس نہیں ہوتا کہ مولانا خود اس چودھویں صدی میں قرن اول کے خزانہ عامرہ کا ایک موتی تھے، بعض سلف کے متعلق بہت سی چیزیں ہم کتابوں میں ایسی پڑھتے ہیں جن کو باور کرنے میں ہماری مادیت سے مغلوب طبیعتوں پر بڑا بوجھ پڑتا ہے، لیکن مولانا مرحوم کے اندر اس قسم کی چیزیں آنکھوں سے دیکھ کر بحمد اللہ ایسا انشراح اور اطمینان نصیب ہوا جو شاید صدہا دلیلوں سے نصیب نہ ہوتا۔ روم کے عارف نے ایسوں ہی کے حق میں کہا ہے۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از حل شود بے قیل و قال

(ب) مولانا مرحوم یا ان کے بعض اکابر خاندان کے کچھ ایسے احوال بھی اس کتاب میں ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں گے، جن کو آج کل کی تنگ ذہنیں اور کوتاہ نظریں شاید بعید از عقل و قیاس سمجھیں، لیکن اس قسم کے جو احوال و واقعات اس کتاب میں مولف نے درج کئے ہیں یہ عموماً وہی ہیں جو موجب یقین و اطمینان ذرائع علم سے معلوم ہوئے ہیں۔

(ج) یہ حقیقت بھی ناظرین کرام کے پیش نظر رہنی چاہیے کہ مولف کتاب کی کسی قدر تفصیل کے ساتھ مولانا مرحوم کی زندگی کے صرف وہی واقعات و سوانح لکھ سکتے ہیں جو کبھی کبھی سفر کی ہمرکابی یا نظام الدین کی حاضری کے موقع پر خود ان کے سامنے پیش آئے، اسی بنیاد پر آخری مرض کے اخیر ایام کے حالات اور سفر لکھنؤ کے واقعات وہ اچھی خاصی تفصیل سے لکھ سکے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی زندگی کا بڑا حصہ ایسا ہی گزرا ہے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر مولف کتاب کو اس پورے زمانے میں رفاقت حاصل رہی ہوتی تو کتاب کی ضخامت کتنی ہوتی، اور اس قسم کے وقائع و معلومات کا کس قدر مفید اور قیمتی مواد اس میں ہوتا، تاہم جو کچھ اس میں آ گیا ہے، غور و فکر اور اللہ کی دی ہوئی بصیرت سے کام لینے والوں کے لئے بہت کچھ ہے۔

(د) جیسا کہ ناظرین کرام کو کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا، یہ کتاب صاحب سوانح کی شخصیت کے تعارف سے زیادہ ان کی دعوت کی توضیح اور تفصیل پر مشتمل ہے، اور ایسا ہونا ناگزیر بھی تھا، کیونکہ جب کسی ایسے شخص کی سوانح لکھی جائے گی جس نے اپنی شخصیت کو اپنی دعوت میں اس طرح فنا کر دیا ہو تو لامحالہ وہ شخصی احوال سے زیادہ دعوت کے متعلقات پر مشتمل ہوگی نیز مولف کا اصلی اور اولین مقصد بھی اس محنت و کاوش سے یہی ہے کہ ہمارے ناظرین کی دنیا مولانا مرحوم کی تجدیدی دعوت اور اس کے حیات سے بخش پیغام سے آشنا ہو۔

مقدمہ نگار نے ناظرین کا بہت وقت لیا، لیکن کتاب و صاحب کتاب کے متعلق یہ چند ضروری تھے، مقدمہ نگار سامنے سے ہٹا جاتا ہے، کتاب آپ کے سامنے ہے، لیکن یہ کتاب صرف پڑھ کر رکھ دینے کی نہیں، یہ سراپا دعوت ہے، ناظرین اگر سامعین بن جائیں تو سروش غیب کی آواز کانوں میں آئے گی۔

گوئے توفیق و سعادت در میاں افگندہ اند
کس بمیداں درنمی آید سواراں راچہ شد

یہ خالص دینی جدوجہد کے ایک نئے دور کا آغاز ہے کام مدتوں کا چھوٹا ہوا ہے، جو لوگ ہمت کر کے آگے بڑھیں گے، ان کی سعادت کا کوئی اندازہ نہیں لگا، سکتا صرف وقت اور اللہ کی دی ہوئی قوت کے صرف واستعمال کا سوال ہے، اور سودا ایسا ہے کہ جان کی قیمت میں بھی سستا ہے، بقول حضرت مفتی صدرالدین خاں آزردہ۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے، سو ایسا زیاں نہیں

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

9 جمادی الثانیہ 1364ھ

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ

اور ان کی

مفکر اسلام

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

طیّب پبلشرز

5۔ یوسف مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' اردو بازار' لاہور

فون:042-7241778 - 0333-4394686